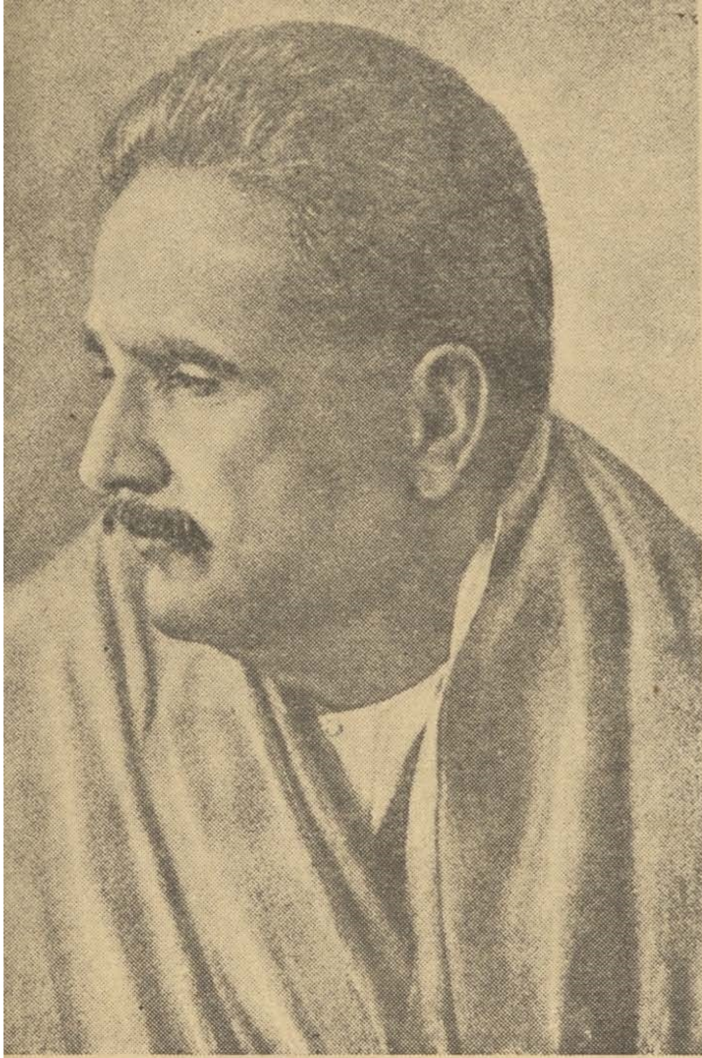


خطبہ صدارت

دسمبر 1930ء

آل انڈیا مسلم لیگ اجلاس الٰہ آباد

اقبال کا نظریۂ پاکستان

ذخیرہ کتب:۔ محمد احمد ترازی

خطبۂ صدارت

آل انڈیا مسلم لیگ اجلاس منعقدہ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء

حضرات!

میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے ایک ایسے وقت میں مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کا اعزاز بخشا ہے جب کہ مسلمانانِ ہندستان کی سیاسی زندگی نے ایک نہایت ہی نازک صورت اختیار کرلی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس عظیم الشان اجتماع میں اُن حضرات کی کمی نہیں جن کا تجربہ مجھ سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور جن کی معاملہ فہمی کا میں دل سے قائل ہوں۔ لہذا یہ بڑی جسارت ہوگی اگر میں اُن مسائل میں جن کے فیصلے کے لئے آج یہ حضرات یہاں جمع ہوئے ہیں، ان کی رہنمائی کا دعویٰ کروں۔ میں کسی جماعت کا رہنما نہیں اور نہ کسی رہنما کا پیرو ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کا زائد حصہ اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست، تہذیب و تمدن اور ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ

اس مسلسل اور متواتر تعلق کی بدولت جو مجھے تعلیمات اسلامی کی روح سے رہا ہی جیسا کہ مختلف زبانوں میں اس کا اظہار ہوا ہی، میں نے اس امر کے متعلق ایک خاص بصیرت پیدا کرلی ہی کہ ایک عالمگیر حقیقت کے اعتبار سے اسلام کی حیثیت کیا ہی۔ لہذا یہ فرض کرتے ہوئے کہ مسلمانان ہندستان بہرحال اپنی اسلامی روح کو برقرار رکھنے پر مصر ہیں، میں کوشش کروں گا کہ آپ کے فیصلوں کی رہنمائی کی بجائے اسی بصیرت کی روشنی میں خواہ اس کی قدر و قیمت کچھ بھی ہو، آپ کے دل میں اس بنیادی اصول کا احساس پیدا کردوں جس پر میری رائے میں ہمارے تمام فیصلوں کا عام انحصار ہونا چاہیے۔

اسلام اور قومیت

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہی کہ بحیثیت ایک اخلاقی نصب العین اور نظام سیاست کے (اس آخری لفظ سے میرا مطلب ایک ایسی جماعت ہی جس کا نظم و انضباط کسی نظام قانون کے ماتحت عمل میں آتا ہو لیکن جس کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح سرگرم کار ہو) اسلام ہی وہ سب سے بڑا جزو ترکیبی تھا جس سے مسلمانانِ ہند کی تاریخ حیات متاثر ہوئی اسلام ہی کی بدولت مسلمانوں کے سینے ان جذبات و عواطف سے معمور ہوئے جن پر جماعتوں کی زندگی کا دارومدار ہے اور جن سے متفرق و منتشر افراد بتدریج متحد ہوکر ایک متمیز و معیّن قوم کی صورت اختیار کرلیتے ہیں، اور ان کے اندر ایک مخصوص اخلاقی شعور پیدا ہوجاتا ہی۔ حقیقت میں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ دنیا بھر میں شاید ہندستان ہی ایک ایسا ملک ہی جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہی۔ دوسرے ممالک کی طرح ہندستان میں بھی جماعتِ اسلامی کی ترکیب صرف اسلام ہی کی رہینِ منت ہی اس لیے کہ اسلامی تمدن کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح کارفرما ہی۔ میرا مطلب یہ ہی کہ مسلمانوں کے اندرونی اتحاد اور ان کی نمایاں یکسانیت ان قانونوں اور اداروں کی شرمندۂ احسان ہے

جو تہذیب اسلامی سے وابستہ ہیں۔ لیکن اس وقت مغرب کے سیاسی افکار نے نہایت تیزی کے ساتھ نہ صرف ہندستان بلکہ ہندستان سے باہر تمام دنیائے اسلام میں انقلاب پیدا کر رکھا ہے۔ نوجوان مسلمانوں کی یہ خواہش ہے کہ وہ ان افکار کو عملاً اپنی زندگی کا جزو بنا لیں۔ انھوں نے اس امر پر مطلق غور نہیں کیا کہ وہ کون سے اسباب تھے جن کے ماتحت ان افکار نے مغرب میں نشو و نما پائی۔ یاد رکھنا چاہیے کہ سرزمین مغرب میں مسیحیت کا وجود محض ایک رہبانی نظام کی حیثیت رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس سے کلیسا کی ایک وسیع حکومت قائم ہوئی۔ لوتھر کا احتجاج دراصل اسی کلیسائی حکومت کے خلاف تھا، اس کو کسی دنیوی نظام سیاست سے کوئی بحث نہیں تھی، کیوں کہ اس قسم کا کوئی نظام سیاست مسیحیت میں موجود نہیں تھا۔ غور سے دیکھا جائے تو لوتھر کی بغاوت ہر طرح سے حق بجانب تھی اگرچہ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ خود لوتھر کو بھی اس امر کا احساس نہ تھا کہ جن مخصوص حالات کے ماتحت اس کی تحریک کا آغاز ہوا ہے اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوگا کہ مسیح علیہ السلام کے عالم گیر نظامِ اخلاق کی بجائے مغرب میں ہر طرف بیشمار ایسے اخلاقی نظام پیدا ہو جائیں گے جو خاص خاص قوموں سے متعلق ہونگے اور اس وجہ سے ان کا حلقۂ اثر بالکل محدود رہ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جس ذہنی تحریک کا آغاز لوتھر اور روسیو کی ذات سے ہوا، اس نے مسیحی دنیا کی وحدت کو توڑ اُسے ایک ایسی غیر مربوط اور منتشر کثرت میں تقسیم کر دیا جس سے اہلِ مغرب کی نگاہیں اس عالمگیر مطمحِ نظر سے ہٹ کر جو تمام نوعِ انسان سے متعلق تھا، اقوام و ملل کی تنگ حدود میں الجھ گئیں۔ اس نئے تخیل حیات کے لئے انھیں ایک سے کہیں زیادہ واقعی اور مرئی اساس مثلاً تصورِ وطنیت کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا اظہار بالآخر اُن سیاسی نظامات کی شکل میں ہوا جنھوں نے جذبۂ قومیت کے ماتحت پرورش پائی۔ یعنی جن کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ سیاسی اتحاد و اتفاق کا وجود عقیدۂ

وطنیت ہی کے ماتحت ممکن ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مذہب کا تصور یہی ہے کہ اس کا تعلق صرف آخرت سے ہے انسان کی دنیوی زندگی سے اسے کوئی سروکار نہیں تو جو انقلاب مسیحی دنیا میں رونما ہوا ہے وہ ایک طبعی امر تھا۔ مسیح علیہ السلام کا عالمگیر نظامِ اخلاق نیست و نابود ہو چکا ہے اور اس کی جگہ اخلاقیات و سیاسیات کے قومی نظامات نے لے لی ہے اس سے اہلِ مغرب بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مذہب کا معاملہ ہر فرد کی اپنی ذات تک محدود رہے۔ اسے دنیوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اسلام کے نزدیک ذاتِ انسانی بجائے خود ایک وحدت ہے۔ وہ مادّے اور روح کی کسی ناقابلِ اتحاد ثنویت کا قائل نہیں۔ مذہب اسلام کی رو سے خدا اور کائنات، کلیسا اور ریاست اور روح اور مادّہ ایک ہی کل کے مختلف اجزا ہیں۔ انسان کسی ناپاک دنیا کا باشندہ نہیں جس کو اسے ایک روحانی دنیا کی خاطر جو کسی دوسری جگہ واقع ہے، ترک کر دیا جائے اسلام کے نزدیک مادّہ روح کی ایک شکل کا نام ہے جس کا اظہار قیدِ مکانی و زمانی میں ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب نے مادّے اور روح کی ثنویت کا عقیدہ بلا کسی غور و فکر کے مانویت کے زیرِ اثر قبول کر لیا تھا۔ اگرچہ آج اس کے بہترین اربابِ فکر اپنی اس ابتدائی غلطی کو محسوس کر رہے ہیں مگر سیاست دانوں کا طبقہ ایک طرح سے اب بھی مصر ہے کہ دنیا اس اصول کو ایک ناقابلِ انکار حقیقت کے طور پر تسلیم کر لے۔ دراصل یہ روحانی اور دنیوی زندگی کا غلط امتیاز ہے جس سے مغرب کے سیاسی اور مذہبی افکار بیشتر طور پر متاثر ہوئے ہیں اور جس سے یورپ کی مسیحی ریاستوں نے عملاً مذہب سے کلیتہً علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اس سے چند متفرق اور بے ربط سلطنتیں قائم ہو گئی ہیں جن پر کسی انسانی جذبے کی بجائے قومی اغراض کی حکمرانی ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ آج یہی سلطنتیں ہیں جو مسیحیت کے اخلاقی اور مذہبی عقائد کی پامالی کے بعد ایک متحدہ یورپ کا خواب دیکھ رہی ہیں۔ بالفاظِ دیگر ان کو ایک ایسے اتحاد کی ضرورت

کا احساس ہو چلا ہی جو کلیسا کے ماتحت انہیں حاصل تو تھا لیکن جس کو اخوتِ انسانی کے اس عالمگیر تصویر کی روشنی میں تعمیر کرنے کی بجائے جو مسیح علیہ السلام کے دل میں موجود تھا۔ انھوں نے لوتھر کی تعلیمات کے زیر اثر تباہ و برباد کردیا۔ بہرحال دنیائے اسلام میں کسی لوتھر کا ظہور ممکن نہیں اس لیے کہ اسلام میں کلیسا کا کوئی ایسا نظام موجود نہیں ہے جو ازمنۂ متوسطہ کے مسیحی نظام سے مشابہ ہو اور جس کے توڑنے کی ضرورت پیش آئے۔ دنیائے اسلام کے پیش نظر ایک ایسا عالمگیر نظام سیاست ہی جس کی اساس وحی و تنزیل پر ہے۔ یہ الگ بات ہی کہ چونکہ ہمارے فقہا کو ایک عرصۂ دراز سے عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رہا اور وہ عہد جدید کی داعیات سے بالکل بیگانہ ہیں، لہذا اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم اس میں از سر نو قوت پیدا کرنے کے لئے اس کی ترکیب و تعمیر کی طرف متوجہ ہوں۔ میں نہیں کہ سکتا کہ بالآخر تصوّرِ قومیت کا انجام ملّتِ اسلامیہ میں کیا ہوگا۔ آیا اسلام اس تصور کو اپنے اندر جذب کرکے اس کو اسی طرح بدل دے گا جس طرح اس سے پیشتر اس نے اس سے بالکل مختلف تصورات کی ترکیب و نوعیت کو ہمہ تن بدل دیا تھا، یا یہ کہ اس سے خود اسلام کے اندر کوئی زبردست تغیر رونما ہو جائے گا کچھ روز ہوئے پروفیسر ونسنک نے مجھے لیڈن (ہالینڈ) سے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ اسلام نے اسی وقت اس نازک دور میں قدم رکھا ہے جس میں داخل ہوئے مسیحیت کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اس وقت سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ بہت سے قدیم تصوّرات کو ترک کردینے کے باوجود مذہب کی بنیادوں کو تزلزل و انتشار سے محفوظ رکھنے کی صورت کیا ہے۔ پروفیسر موصوف کہتے ہیں کہ ابھی تو وہ اسی امر کا فیصلہ نہیں کرسکے کہ اس کا نتیجہ مسیحیت کے حق میں کیا ہوگا۔ اسلام کے متعلق کوئی پیشگوئی کرنا اور بھی ناممکن ہی۔ اس وقت قوم و وطن کے تصوّر نے مسلمانوں کی نگاہوں کو نسل و خون کے امتیاز

میں الجھا رکھا ہے اور اس طرح اسلام کے انسانیت پرور مقاصد میں عملاً حارج ہو رہا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نسلی احساسات ترقی کرتے کرتے ان اصول و قواعد کے محرک ہوں جو تعلیمات اسلامی کے مخالف ہی نہیں بلکہ ان سے بالکل متضاد ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اس خالص علمی بحث کے لیے مجھے معاف فرمائیں گے۔ لیکن آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو اس امر سے مایوس نہیں ہو گیا ہے کہ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہن انسانی کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کر سکتی ہے، جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست دونوں کی زندگی میں غیر معمولی اصلیت حاصل ہے اور جسے یقین ہے کہ اسلام کی تقدیر خود اس کے ہاتھ میں ہے، اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا ایسا شخص مجبور ہے کہ جس معاملہ پر غور کرے اپنے نقطۂ نظر کے ماتحت کرے۔ آپ یہ خیال نہ فرمایئے گا کہ جس مسئلے کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ محض نظری حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک زندہ اور عملی سوال ہے۔ جس سے بطور ایک دستور حیات اور نظام عمل کے اسلام کی ساری کائنات متاثر ہو سکتی ہے۔ صرف یہی ایک مسئلہ ہے جس کے صحیح حل پر اس امر کا دارومدار ہے کہ ہم لوگ آگے چل کر ہندستان میں ایک ممتاز و متخیر تہذیب کے حامل بن سکیں۔ اسلام پر ابتلا و آزمائش کا کبھی ایسا سخت وقت نہیں آیا جیسا کہ آج درپیش ہے۔ ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بنیادی اصولوں کی ترمیم و تاویل کرے یا ان کو یک قلم منسوخ کر دے۔ لیکن اس قسم کا قدم اٹھانے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس کے نتائج و عواقب کیا ہوں گے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ جس انداز سے میں نے اس مسئلے پر نظر ڈالی ہے اس سے کسی شخص کو یہ غلط فہمی ہو کہ جن حضرات کو میرے خیالات سے اتفاق نہیں ہے میں ان سے پیکار و مناقشت کا دروازہ کھولنا چاہتا ہوں۔ یہ

اجتماع مسلمانوں کا ہو جن کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے مقاصد اور اس کی تعلیمات پر قائم رہنے کے دل سے آرزومند ہیں۔ میرا مقصود صرف اس قدر ہے کہ موجودہ حالات کے متعلق میں نے جو رائے قائم کی ہے، اس کا آزادی کے ساتھ اظہار کردوں۔ میرے نزدیک صرف یہی ایک صورت ہے اس امر کی کہ میں آپ کی سیاسی راہوں کو اپنے عقائد کی روشنی میں منور کرسکوں۔

قومیتِ ہند کا اتحاد

سوال یہ ہے کہ آج جو مسئلہ ہمارے پیشِ نظر ہے اس کی صحیح حیثیت کیا ہے۔ کیا واقعی مذہب ایک نجی معاملہ ہے اور آپ بھی یہ چاہتے ہیں کہ ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا بھی وہی حشر ہو جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تخیل کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظامِ سیاست کی بجائے ان قومی نظامات کو اختیار کرلیں جن میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا؟ ہندوستان میں یہ سوال اور بھی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ باعتبار آبادی ہم اقلیت میں ہیں۔ یہ دعویٰ کہ مذہبی ارادت محض انفرادی اور ذاتی واردات ہیں، اہلِ مغرب کی زبان سے تو تعجب خیز معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یورپ کے نزدیک مسیحیت کا تصور ہی یہی تھا کہ وہ ایک مشربِ رہبانیت ہے جس نے دنیائے مادیت سے منہ موڑ کر اپنی تمام تر توجہ عالمِ روحانیت پر مبذول کی ہے۔ اس قسم کے عقیدے سے لازماً وہی نتیجہ مترتب ہو سکتا تھا۔ جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وارداتِ مذہب کی حیثیت جیسا کہ قرآن پاک میں ان کا اظہار ہوا ہے اس سے قطعاً مختلف ہے۔ یہ محض حیاتی نوع کی واردات نہیں ہیں کہ ان کا تعلق صرف صاحبِ واردات کے اندرونِ ذات سے

ہو لیکن اس کے باہر اس کے گرد و پیش کی معاشرت پر ان کا کوئی اثر نہ پڑے۔ برعکس اس کے یہ وہ انفرادی واردات ہیں، جن سے بڑے بڑے اجتماعی نظامات کی تخلیق ہوتی ہے اور جن کے اولین نتیجے سے ایک ایسے نظام سیاست کی بنیاد پڑی جس کے اندر قانونی تصورات مضمر تھے اور جن کی اہمیت کو محض اس لئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی بنیاد وحی و الہام پر ہے۔ لہذا اسلام کے مذہبی نصب العین اس کے معاشرتی نظام سے جو خود اسی کا پیدا کردہ ہے، الگ نہیں ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر آپ نے ایک کو ترک کیا تو بالآخر دوسرے کا ترک بھی لازم آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لئے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہو گا جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر ہو جو اسلام کے اصول اتحاد کی نفی کرنے پر مبنی ہو۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو آج مسلمانانِ ہندوستان کے سامنے ہے۔ مشہور فرانسیسی عالم رینان (RENAN) کا قول ہے کہ انسان نہ نسل کی قید گوارا کر سکتا ہے نہ مذہب کی، نہ دریاؤں کا بہاؤ اس کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے نہ پہاڑوں کی سمتیں اس کے دائرے کو محدود کر سکتی ہیں۔ اگر صحیح الدماغ انسانوں کا ایک زبردست اجتماع موجود ہے اور ان کے دلوں میں جذبات کی گرمی ہے تو انہی کے اندر وہ اخلاقی شعور پیدا ہو جائے گا جسے ہم لفظ "قوم" سے تعبیر کرتے ہیں۔ مجھے اس قسم کی ترکیب و اجتماع سے انکار نہیں۔ اگرچہ یہ ایک نہایت ہی طویل اور صبر آزما عمل ہے اس لئے کہ اس کا مطلب انسان کی زندگی کو عملاً ایک نئے سانچے میں ڈھالنا ہے اور اس کے جذبات و احساسات کی دنیا کو یکسر پلٹ دینا ہے۔ اگر اکبر کے دین الٰہی یا کبیر کی تعلیمات عوام الناس میں مقبول ہو جائیں تو ممکن تھا کہ ہندوستان میں بھی اس قسم کی ایک نئی قوم پیدا ہو جاتی، لیکن تجربہ تبلاتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف مذاہب اور

متعدد جاتیوں میں اس قسم کا کوئی رجحان موجود نہیں کہ وہ اپنی انفرادی حیثیت کو ترک کر کے ایک وسیع جماعت کی صورت اختیار کر لیں۔ ہر گروہ اور ہر مجموعہ مضطرب ہے کہ اس کی ہیئت اجتماعیہ قائم رہے۔ لہٰذا اس قسم کا اخلاقی شعور جو ریاستان کے لئے کسی قوم کی تخلیق کے لئے ناگزیر ہے ایک ایسی عظیم قربانی کا طالب ہے جس کے لئے ہندستان کی کوئی جماعت تیار نہیں۔ قومیتِ ہند کا اتحاد اُن تمام جماعتوں کی نفی میں نہیں بلکہ ان کے تعاون واشتراک اور ہم آہنگی پر مبنی ہے۔ صحیح تدبر کا تقاضا ہے کہ ہم حقایق کا خواہ وہ کیسے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں اعتراف کریں حصول مقاصد کی عملی راہ یہ نہیں ہے کہ ایک ایسی حالت کو فرض کر لیا جائے جو واقعتہً موجود نہ ہو۔ ہمارا طریق کار یہ ہونا چاہیئے کہ ہم واقعات کی تکذیب کی بجائے ان سے جہاں تک ہو سکے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ میری رائے میں ہندستان اور ایشیا کی قسمت صرف اس بات پر مبنی ہے کہ ہم قومیتِ ہند کا اتحاد اسی اصول پر قائم کریں۔ اگر ہم ہندستان کو چھوٹا سا ایشیا قرار دیں تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ اہلِ ہند کا ایک حصہ اپنی تہذیب و تمدن کے اعتبار سے مشرقی اقوام سے مشابہ ہے لیکن اس کا دوسرا حصہ اُن قوموں سے ملتا جلتا ہے جو مغربی اور وسطی ایشیا میں آباد ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہندستان کے اندر اشتراکِ تعاون کی کوئی موثر راہ نکل آئی تو اس سے نہ صرف اس قدیم ملک میں جو اپنے باشندوں کی کسی طبعی خرابی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنی جغرافی حیثیت کے باعث ایک عرصہ دراز سے مصائب وفتن کا تختۂ مشق بن رہا ہے، صلح و آشتی قائم ہو جائے گی بلکہ اس کے ساتھ ہی تمام ایشیا کا سیاسی عقدہ بھی حل ہو جائے گا۔

بایں ہمہ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ اب تک ہم نے باہمی تعاون واشتراک کی جس قدر کوششیں کی ہیں، سب ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہماری ناکامی کا باعث کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید ہمیں ایک دوسرے کی نیتوں پر

اعتماد نہیں اور باطناً ہم غلبہ و اقتدار کے خواہش مند ہیں۔ یا یہ ممکن ہے کہ ہم اتحاد و تعاون کے مقاصد عالیہ کے لئے اتنا ایثار بھی نہیں کر سکتے کہ اب تک جو اجارات ہمیں کسی نہ کسی طرح حاصل ہو گئے ہیں۔ ان سے دست بردار ہو جائیں۔ ہم اپنی نفسانیت کو قومیت کے نقاب میں چھپاتے ہیں اور اگرچہ ظاہری طور پر ہمیں ایک نہایت ہی رواداری نہ حب الوطنی کا ادعا ہے۔ لیکن دلوں میں ذات پات کی تنگی اور فرقہ آرائی کی ہوس بدستور کام کر رہی ہے۔ ہم لوگ اس اصول کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تہذیب و تمدن کے نشو و نما میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائے۔ لیکن ہماری ناکامی کے اسباب کچھ بھی ہوں میرا دل اب بھی امید سے لبریز ہے۔ واقعات کا رجحان بہرکیف ہمارے داخلی اتحاد اور اندرونی ہم آہنگی ہی کی جانب نظر آتا ہے اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے مجھے یہ اعلان کرنے میں مطلق تامل نہیں کہ اگر فرقہ وارانہ امور کے ایک مستقل اور پائدار تصفیئے کے اس بنیادی اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانان ہندستان کو اپنی روایات و تمدن کے ماتحت اس ملک میں آزادانہ نشو و نما کا حق حاصل ہے تو وہ اپنے وطن کی آزادی کے لئے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ یہ اصول کہ ہر فرد اور ہر جماعت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ اپنے عقائد کے مطابق آزادانہ ترقی کرے کسی تنگ نظر فرقہ داری پر مبنی نہیں فرقہ داری کی بھی بہت سی صورتیں ہیں جو فرقہ داری دوسری قوموں سے نفرت اور ان کی بدخواہی کی تعلیم دے، اس کے ذلیل اور ادنیٰ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ میں دوسری قوموں کے رسوم و قوانین اور ان کے معاشرتی اور مذہبی اداروں کی دل سے عزت کرتا ہوں بلکہ بحیثیت مسلمان میرا یہ فرض ہے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو احکام قرآنی کے حسب اقتضا میں ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کروں۔ بایں ہمہ مجھے اس جماعت سے دلی محبت ہے جو میرے اوضاع و اطوار اور میری زندگی

کا سرچشمہ ہے اور جس نے اپنے دین اور اپنے ادب، اپنی حکمت اور اپنے تمدن سے بہرہ مند کرکے مجھے وہ کچھ عطا کیا جس سے میری موجودہ زندگی کی تشکیل ہوئی۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ میرے ماضی نے از سرِ نو زندہ ہو کر مجھ میں یہ احساس پیدا کر دیا ہے کہ وہ اب بھی میری ذات میں سرگرم کار ہے۔ نہرو رپورٹ کے واضعین تک نے بھی فرقہ داری کے اس پہلو کا اعتراف کیا ہے۔ علیحدگی سندھ کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے:۔

"یہ کہنا کہ قومیت کے وسیع نقطۂ نگاہ کے ماتحت کسی فرقہ وارانہ صوبہ کا قیام مناسب نہیں، بالکل ایسا ہے جیسے یہ دعویٰ کہ بین الاقوامی نصب العین کا تقاضا ہے کہ علیحدہ علیحدہ قوموں کا وجود قائم نہ رہے ان دونوں بیانات میں ایک حد تک صداقت موجود ہے۔ لیکن بین الاقوامی نصب العین کے سرگرم سے سرگرم حامیوں کو بھی اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ قوموں کی پوری پوری آزادی کے بغیر کسی بین الاقوامی ریاست کا وجود قائم کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح مکمل تمدنی آزادی کے بغیر" اور یاد رکھئے کہ اپنی ارفع اور اعلیٰ صورت میں فرقہ داری سوائے تمدن کے اور کچھ نہیں "ایک ہم آہنگ اور متوازن قوم کا پیدا کرنا بھی ناممکن ہے۔"

ہندستان کے اندر اسلامی ہندستان

لہٰذا ثابت ہوا کہ ہندستان میں ایک متوازن اور ہم آہنگ قوم کے نشو و نما کی طرح مختلف ملتوں کا وجود ناگزیر ہے۔ مغربی ممالک کی طرح ہندستان کی یہ حالت نہیں کہ اس میں ایک ہی قوم آباد ہو، وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو اور

اس کی زبان بھی ایک ہو۔ ہندستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل، زبان، مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے اعمال و افعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو ہندستان بھی تو کوئی واحد الجنس قوم نہیں۔ پس یہ امر کسی طرح بھی نامناسب نہیں کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کئے بغیر ہندستان کے اندر ایک اسلامی ہندستان قائم کریں۔ میری رائے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قراردادوں سے اسی بلند نصب العین کا اظہار ہوتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف ملتوں کے وجود کو فنا کئے بغیر ان سے ایک متوافق اور ہم آہنگ قوم تیار کی جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنے ان صلاحیتوں کو جو ان کے اندر مضمر ہیں عمل میں لا سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اجتماع ان تمام مطالبات کی جو اس قرارداد میں موجود ہیں، نہایت شد و مد سے تائید کرے گا۔ ذاتی طور پر تو میں ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبۂ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومتِ خود اختیاری حاصل کرے، خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔ اس تجویز کو نہرو کمیٹی میں بھی پیش کیا گیا تھا، لیکن اراکین مجلس نے اسے اس بنا پر رد کر دیا کہ اگر اس قسم کی کوئی ریاست قائم ہوئی تو اس کا رقبہ اس قدر وسیع ہوگا کہ اس کا انتظام کرنا دشوار ہو جائے گا۔ بے شک اگر رقبہ کا لحاظ کیا جائے تو اراکین مجلس کا یہ خیال صحیح ہو لیکن آبادی پر نظر کی جائے تو اس ریاست کے باشندوں کی تعداد اس وقت کے بعض ہندستانی صوبوں سے بھی کم ہوگی۔ غالباً قسمتِ انبالہ یا اس قسم کے دوسرے اضلاع کو الگ کر دینے سے جن میں ہندو آبادی کا غلبہ ہے اس کی وسعت اور

انتظامی مشکلات میں اور بھی کمی ہو جائے گی۔ پھر ان اضلاع کی علیحدگی سے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کہیں زیادہ محفوظ ہو جائیں گے۔ اس تجویز کو سن کر نہ انگریزوں کو پریشان ہونا چاہئے نہ ہندوؤں کو۔ ہندستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقہ میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔ ہندستانی مسلمانوں کے اس زندہ اور جاندار طبقہ کی مرکزیت کی بدولت جس نے دولت برطانیہ کی ناانصافیوں کے باوجود فوج اور پولیس میں شریک ہو کر انگریزوں کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ اس ملک پر اپنی حکومت قائم رکھیں، ہندستان کا مسئلہ حل ہو جائے گا، بلکہ اس سے خود مسلمانوں کے احساسات ذمہ داری قوی ہو جائیں گے اور ان کا جذبۂ حب الوطنی بڑھ جائیگا۔ اگر شمال مغربی ہندستان کے مسلمانوں کو اس امر کا موقع دیا گیا کہ وہ ہندستان کے جسد سیاسی کے اندر رہ کر اپنے نشو و ارتقا میں آزادانہ قدم اٹھا سکیں تو وہ تمام بیرونی حملوں کے خلاف خواہ وہ حملہ بزور قوت ہو یا بزور خیالات ہندستان کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۶ فی صدی ہے، لیکن ہندستان کی پوری فوج میں ہمارا حصہ ۵۴ فیصدی ہے اور اگر عساکر ہند کی کل تعداد میں سے ان ۱۹ ہزار گورکھوں کو جو نیپال کی آزاد ریاست سے بھرتی کئے جاتے ہیں نکال دیا جائے تو مسلمانوں کی تعداد ۶۲ فیصدی ہو جائے گی، حالانکہ اس اندازہ میں وہ چھ ہزار جنگجو شامل نہیں ہیں جو بلوچستان اور صوبۂ سرحدی سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اس سے آپ ان تمام صلاحیتوں کا بہ آسانی اندازہ کر سکینگے جو شمال مغربی ہندستان کی مسلم آبادی میں موجود ہیں اور جن کی بدولت وہ تمام ہندستان کو غیر ملکی جبیرہ دستیوں سے محفوظ و مامون رکھ سکتی ہے۔ رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ کہ شمال مغربی سرحد

کے ساتھ مل کر خود مختار اسلامی ریاستیں قائم کی جائیں، اُن کی اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو حکومتِ ہند پر زور ڈالا جاسکے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ مسلمانانِ ہندستان کے دل میں اس قسم کا کوئی جذبہ موجود نہیں ہے۔ ان کا مدعا صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنی ترقی کی راہ میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائیں لیکن یہ اس مرکزی حکومت کے ماتحت ممکن نہ ہوگا جسے قوم پسند ہندو اربابِ سیاست محض اس لئے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ دوسری ملتوں پر ہمیشہ کے لئے ان کا غلبہ ہو جائے۔

بہرحال ہندوؤں کے دل میں اس قسم کا خدشہ نہیں ہونا چاہیئے کہ آزاد اسلامی ریاستوں کے قیام سے ایک طرح کی مذہبی حکومت قائم ہو جائے گی۔ میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں مذہب کا مفہوم کیا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کوئی کلیسائی نظام نہیں۔ بلکہ یہ ایک ریاست ہے جس کا اظہار رُوسو سے بھی کہیں پیشتر ایک ایسے وجود میں ہوا جو عقدِ اجتماعی کا پابند ہو۔ ریاست اسلامی کا انحصار ایک اخلاقی نصب العین پر ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان شجر و حجر کی طرح کسی خاص زمین سے وابستہ نہیں، بلکہ وہ ایک رُوحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی ترکیب میں حصہ لیتا ہے اور اس کے ایک زندہ جزو کی حیثیت سے چند فرائض اور حقوق کا مالک ہے۔ اسلامی ریاست کی نوعیت کا اندازہ "ٹائمز آف انڈیا" کے اُس افتتاحیہ سے کیا جا سکتا ہے جس میں لکھا ہے کہ قدیم ہندستان میں ریاست کا یہ فرض تھا کہ سود کے متعلق قوانین بنائے لیکن باوجود اس کے کہ اسلام میں سود لینا حرام ہے، اسلامی حکومت نے شرحِ سود پر کوئی پابندیاں عاید نہیں کیں۔ میں صرف ہندستان اور اسلام کے فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندستان کے

اندر توازنِ قوت کی بدولت امن وامان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانۂ حال کی رُوح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔

فیڈرل ریاستیں

میرے خیال میں اب یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہو گئی ہے کہ ہندستان کی آئندہ حکومت کے لئے کسی مستقل لسانی اور عقائد و معاشرت کے اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی آزاد ریاستیں قائم کر دیں جو زبان، نسل، تاریخ، مذہب اور اقتصادی مفاد کے اشتراک پر مبنی ہوں۔ سائمن رپورٹ کے اندر فیڈریشن کا جو تصور قائم کیا گیا ہے، اس کے ماتحت بھی ضروری ہے کہ مرکزی مجلس وضع قوانین کا انتخاب عوام سے عمل میں نہ آئے، بلکہ وہ فیڈرل ریاستوں کے نمایندوں پر مشتمل ہو۔ سائمن رپورٹ کی رُو سے تقریباً انہی اصولوں کی بنا پر جن کا اظہار میں نے کیا ہے، صوبوں کی تقسیم بھی از سرِ نو ہو جانی چاہیئے۔ میں ان دونوں تجاویز کی دل سے تائید کرتا ہوں بلکہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ صوبوں کی جدید تقسیم سے پیشتر دو شرطوں کا پورا ہو جانا ضروری ہے اوّلاً یہ تقسیم نئے دستور کے اجرا سے پہلے مکمل ہو جانی چاہیئے۔ ثانیاً اس کی نوعیت ایسی ہو کہ اس سے فرقہ دارانہ مسائل ہمیشہ کے لئے طے ہو جائیں۔ اگر صوبوں کی تقسیم کسی صحیح اصول کی بنا پر ہو گئی تو اس سے مخلوط اور جداگانہ انتخابات کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا۔ میری رائے میں اس سارے جھگڑے کی بنا

صوبوں کی موجودہ تقسیم پر ہے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ جداگانہ انتخاب کا اصول قومیت کے منافی ہے۔ اُن کے نزدیک لفظ قومیت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہندستان کے تمام باشندے باہم اس طرح خلط ملط ہوجائیں کہ ان کے اندر کسی مخصوص ملت کا انفرادی وجود باقی نہ رہے۔ لیکن ہندستان کی یہ حالت نہیں اور نہ ہم اس کے آرزومند ہیں۔ ہندستان میں مختلف اقوام اور مختلف مذاہب موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اگر مسلمانوں کی معاشی پستی، ان کی بے حد مقروضیت (بالخصوص پنجاب میں)، اور بعض صوبوں میں ان کی ناکافی اکثریتوں کا خیال کرلیا جائے تو آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ مسلمان جداگانہ انتخاب کے لئے کیوں مضطرب ہیں۔ ہندستان جیسے ملک میں اور خاص طور سے ان حالات میں جو اس وقت یہاں ہیں اس امر کی توقع رکھنا کہ علاقہ وارانہ انتخابات سے ہر ملت کے مفاد کی پوری پوری نمائندگی ہوسکے گی ناممکن ہے سوائے اس کے کہ تمام اقلیتوں پر ہندوؤں کا غلبہ قائم ہوجائے گا۔ لیکن اگر صوبوں کی تقسیم کسی ایسے اصول کے ماتحت عمل میں آجاتے کہ ہر صوبہ کے اندر تقریبًا ایک ہی طرح کی ملتیں بستی ہوں اور ان کی نسل، ان کی زبان، ان کا مذہب اور ان کی تہذیب و تمدن ایک ہو تو مسلمانوں کو مخلوط انتخابات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

سائمن رپورٹ اور فیڈریشن

لیکن جہاں تک مرکزی فیڈرل ریاست کے اختیارات کا تعلق ہے ہندو اور انگریز پنڈتوں نے جو دستور حکومت تیار کیا ہے، اُس سے اس باریک اختلاف کا صاف پتہ چل جاتا ہے جو ان دونوں کے مقاصد میں موجود ہے۔ ہندستان کے پنڈتوں کو یہ منظور نہیں کہ مرکزی حکومت کے موجودہ اختیارات میں سرمو بھی

فرق آئے۔ ان کا مطالبہ صرف اس قدر ہو کہ ان اختیارات کو مرکزی مجلس وضع قوانین کی رضامندی پر چھوڑ دیا جائے جس میں اس وقت بھی انہی کی اکثریت ہو اور جب اراکین کی نامزدگی کا طریق ختم ہو تو یہ کثرت اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔ اس کے برعکس انگلستان کے پنڈتوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اگر مرکزی حکومت میں اصولِ جمہوریت کا اطلاق ہو گیا، تو اس کا نتیجہ ان کے مفاد کے خلاف ہوگا، کیونکہ مزید اختیارات مل جانے پر تمام قوت ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی یہ طے کیا ہو کہ وہ اپنے اصول جمہوریت کا تجربہ صوبائی حکومتوں میں کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے فیڈریشن کے اصول پر عمل کرنے کا خیال ظاہر کیا ہو، بلکہ اس کے متعلق کچھ تجاویز بھی پیش کر دی ہیں، لیکن انھوں نے اس اصول پر جس پہلو سے غور کیا ہو وہ اس سے بالکل مختلف ہو جو مسلمانانِ ہند کے پیش نظر ہے۔ مسلمانوں نے فیڈریشن کا مطالبہ محض اس لیے کیا ہو کہ فرقہ وارانہ مسئلے کے تصفیہ کی صرف یہی ایک صورت ہو۔ برخلاف اس کے شاہی کمیشن کے ارکان کے ذہن میں فیڈریشن کا جو تصور ہو وہ اصولی طور سے خواہ کتنا درست اور محکم کیوں نہ ہو، اس سے فیڈرل ریاستوں میں کسی خود اختیاری حکومت کا قائم ہونا مشکل ہو۔ ان کی غرض صرف اس قدر ہے کہ اصول جمہوریت کے نفوذ سے ہندستان میں جو صورت حالات پیدا ہو گئی ہو اس سے فرار کی کوئی راہ نکل آئے۔ فرقہ وارانہ مسئلے پر انھوں نے کوئی غور نہیں کیا بلکہ اسے ویسے ہی چھوڑ دیا ہو۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ جہاں تک حقیقی فیڈریشن کا تعلق ہو، سائمن رپورٹ کی تجاویز نے اس کی پوری پوری نفی پوری کر دی ہے۔ نہرو رپورٹ نے محض اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مرکزی مجلس وضع قوانین میں ہندوؤں کی اکثریت رہے وحدتی نظام کی سفارش کی کیونکہ اس سے تمام ہندوستان پر آسانی ہندوؤں کا تغلب قائم ہو جاتا ہو۔ سائمن رپورٹ نے محض ایک لفظی فیڈریشن کی اسکیم پیش کی ہو جس کی تہ میں برطانیہ کا اقتدار بدستور قائم رہے گا۔ اس کی وجہ کچھ تو یہ ہو کہ انگریز طبعاً اس اقتدار

سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرتے جواب تک انہیں حاصل رہا ہے اور کچھ یہ کہ اگر فرقہ وارانہ مسئلہ کا تصفیہ نہ ہو سکا تو ان کو ہندوستان پر مستقلاً اپنا قبضہ رکھنے کے لئے ایک اچھا عذر مل جائے گا۔ میں تو اس امر کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں وحدتی حکومت قائم ہو۔ جن اختیارات کو "فاضل" (RESIDUARY) کہا جاتا ہے وہ صرف آزاد ریاستوں کو ملنا چاہیئے۔ مرکزی فیڈرل ریاست کے ذمہ صرف ایسے اختیارات رہنے چاہئیں جو تمام فیڈرل ریاستیں بطیب خاطر اس کے سپرد کر دیں۔ میں مسلمانان ہندوستان کو کبھی یہ رائے نہیں دوں گا کہ وہ کسی ایسے نظام حکومت سے خواہ وہ برطانوی ہو یا ہندی اظہار اتفاق کریں جو حقیقی فیڈریشن کے اصول پر مبنی نہ ہو یا جس میں ان کے جداگانہ سیاسی وجود کو تسلیم نہ کیا گیا ہو۔

فیڈرل اسکیم اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنس

پیشتر اس کے کہ انگریز مرکزی حکومت میں اساسی تبدیلی کے لئے کوئی موثر ذریعہ پیدا کرتے اس امر کو محسوس کر لیا گیا تھا کہ اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرالامر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں والیان ریاست کی شمولیت کو بھی ضروری قرار دیا گیا۔ اس سے باشندگان ہندوستان اور بالخصوص اقلیتوں کو بجا طور پر تعجب ہوا کہ والیان ریاست نے کس قدر تیزی کے ساتھ اپنی رائے بدل لی اور ہندوستان کے فیڈریشن میں شامل ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی ہندوؤں نے بھی جواب تک وحدتی حکومت کے طرفدار چلے آتے تھے، بغیر کسی تکلف کے فیڈریشن کے اصول سے اتفاق کر لیا۔ ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے جب شاستری نے سر جان سائمن کی فیڈریشن والی اسکیم پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کی تھی۔ لیکن دفعتہً وہ بھی فیڈریشن پر رضامند ہو گئے اور اپنی اس رضامندی کا اظہار کانفرنس کے ابتدائی اجلاس ہی

میں کر دیا، جس سے وزیر اعظم انگلستان کو موقع ملا کہ وہ اپنی آخری تقریر میں چند نہایت ہی برجستہ اشارات کر سکیں۔ یہ سب کچھ خالی از علت نہیں۔ انگریزوں نے والیان ریاست کو فیڈریشن میں شریک ہونے کی دعوت دی اور ہندو چپ چاپ اس پر رضامند ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ والیان ریاست کی شرکت سے جن میں مسلمانوں کی تعداد نہایت کم ہے دو مقصد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک طرف وہ ہندستان پر برطانوی اقتدار کے تسلسل میں مدد دیں گے دوسری طرف ہندوؤں کو فیڈرل اسمبلی میں ان کی بدولت اکثریت حاصل ہو جائے گی میرا خیال ہے کہ مرکزی حکومت کی شکل کے متعلق ہندو اور مسلمانوں میں جو اختلاف موجود ہے، انگریز مدبرین والیانِ ریاست کے ذریعے نہایت چالاکی کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ خود والیانِ ریاست بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس اسکیم کے ماتحت ان کی مستبدانہ حکومت اور بھی زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔ اگر مسلمانوں نے اس اسکیم کو خاموشی کے ساتھ منظور کر لیا تو ان کا سیاسی وجود تھوڑے ہی عرصہ میں کالعدم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کے فیڈریشن میں ہندو والیانِ ریاست کی اکثریت ہوگی اور وہی حکومت کے سیاہ و سفید کے مالک ہوں گے۔ اگر دولت برطانیہ کے مفاد کا سوال درپیش ہوگا، تو وہ حکومت انگلستان کا ساتھ دیں گے۔ لیکن جہاں تک ملک کے اندرونی نظم و نسق کا تعلق ہے وہ ہندوؤں کا تسلط اور اقتدار قائم رکھیں گے۔ بالفاظ دیگر یہ اسکیم برطانوی حکومت اور ہندو ہندستان کے درمیان ایک قسم کی مفاہمت ہے یعنی اگر تم میرا اقتدار ہندستان پر قائم رکھو تو میں تمہیں ایک ایسی حکومت قائم کرنے میں مدد دوں گا جس میں تمہارا یعنی ہندوؤں کا غلبہ ہو۔ لہذا اگر برطانوی ہندستان کے تمام صوبے حقیقتاً خود مختار ریاستوں کی صورت اختیار نہ کر لیں تو پھر فیڈریشن میں والیان ریاست کی شرکت کا مطلب صرف اسی قدر ہو سکتا ہے کہ انگریز مدبرین اپنے اختیارات سے دست بردار ہوئے بغیر نہایت چالاکی کے ساتھ تمام جماعتوں کو

خوش کردینا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو لفظ فیڈریشن سے ہندوؤں کو مرکز میں اکثریت سے اور انگریز حامیان سلطنت کو خواہ وہ ٹوری پارٹی سے ہوں خواہ مزدور پارٹی سے، حقیقی اختیارات کی قوت سے۔

ہندستان میں ہندو ریاستوں کی تعداد اسلامی ریاستوں سے کہیں زیادہ ہے۔ لہذا یہ دیکھنا باقی ہے کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ انہیں مرکزی فیڈرل اسمبلی میں ۳۳ فیصدی نشستیں حاصل ہوں، اسی ایک ایوان یا ایوانات میں کیوں کر پورا کیا جائے گا، جو دیسی ریاستوں اور برطانوی ہندستان دونوں کے نمایندوں پر مشتمل ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان مندوبین فیڈرل حکومت کے اس مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے ہیں جیسا کہ کانفرنس میں اس پر غور و خوض ہو رہا ہے۔ ابھی آل انڈیا فیڈریشن میں مسلمانوں کی نیابت کا مسئلہ پیش نہیں ہوا۔ البتہ رائٹر سے مختصراً یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ اس وقت جو رپورٹ پیش ہوئی ہے، اس میں دو ایوانوں کی سفارش کی گئی ہے جن میں برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کے نمایندے شریک ہوں گے لیکن ان کی تعداد کے مسئلے پر اس وقت بحث ہوگی جب کمیٹی ان عنوانات پر غور کرے گی، جن کو ابھی سب کمیٹی کے ذمے نہیں کیا گیا۔ میری رائے میں تناسب کا سوال نہایت اہم ہے اور بہتر ہوتا کہ اسمبلی کی ہیئت ترکیبی کے ساتھ اس پر بھی بحث ہو جاتی۔

میرے نزدیک سب سے بہتر صورت یہ تھی کہ ابتدا میں فیڈریشن صرف برطانوی علاقے تک محدود ہوتا۔ کسی ایسی فیڈرل اسکیم سے بھی جو استبداد اور جمہوریت کے ناپاک اتحاد پر مبنی ہو سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا کہ برطانوی ہندستان بدستور وحدتی حکومت کا تختۂ مشق بنا رہے۔ یہ وحدتی حکومت ممکن ہے کہ انگریزوں کے لئے مفید ہو اور والیان ریاست اور اکثریت کے لئے بھی، لیکن اس سے مسلمانوں کے لئے فائدہ کی کوئی توقع رکھنا بے سود ہے جب تک کہ انھیں ہندستان کے گیارہ صوبوں میں سے پانچ میں پورے پورے "فاضل" اختیارات کے ساتھ اکثریت کے حقوق حاصل نہ ہو جائیں۔ اور مرکزی فیڈرل اسمبلی کی کل تعداد میں انھیں ۳۳ فیصدی

نشستیں نہ ملیں۔ جہاں تک کہ برطانوی ہند کے صوبوں کے لئے حاکمانہ (SOVEREIGN) اختیارات کا تعلق ہی ہز ہائنس نواب بھوپال، سر اکبر حیدری اور مسٹر جناح کا رویہ سراسر حق بجانب ہی۔ چونکہ اب والیانِ ریاست بھی فیڈریشن میں شریک ہو رہی ہیں، لہذا مرکزی مجلس کے متعلق ہمیں اپنے مطالبے کو نئی شکل میں پیش کرنا چاہیئے۔ اب یہ مسئلہ محض برطانوی ہند کی اسمبلی میں تناسب کا نہیں رہا، بلکہ اب سوال آل انڈیا فیڈریشن میں مسلمانوں کی نمائندگی کا ہی۔ ہمارا مطالبہ یہ ہونا چاہیئے کہ ان اسلامی ریاستوں کے علاوہ جو فیڈریشن میں شریک ہوں، ہمیں تمام فیڈریشن میں ⅓ نشستیں حاصل ہوں۔

مسئلہ دفاع

ہندستان میں فیڈرل نظام قائم کرنے میں ایک بہت بڑی دقت دفاع و حفاظت کی ہی۔ شاہی کمیشن کے ارکان نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تمام نقائص کو پیش نظر رکھ لیا ہی تاکہ جنگی نظم ونسق کی باگ ہمیشہ دولت برطانیہ کے ہاتھ میں رہے۔ انہوں نے لکھا ہے:۔

> ہندستان اور برطانیہ کا تعلق کچھ ایسا ہی کہ ہندستان کے مسئلہ دفاع کو نہ اب نہ مستقبل قریب میں محض ہندستانی مسئلہ تصور کیا جا سکتا ہی۔ دفاعی عساکر کا نظم ونسق ہمیشہ نائبین سلطنت کے ہاتھوں میں رہنا چاہیئے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے کہ جب تک برطانوی افواج اور برطانوی افسروں کی مدد کے بغیر ہندستانی اپنی سرحدوں کی حفاظت کے قابل نہ ہو جائیں برطانوی ہندستان میں ذمہ دارانہ حکومت قائم نہیں ہو سکتی؟ موجودہ حالت میں اس امر سے انکار کرنا مشکل ہے کہ یہ واقعی ہندستان کی آئینی ترقی کی راہ میں ایک رکاوٹ ہی۔ اگر نہرو رپورٹ کے اس اصول

کو تسلیم کر لیا جائے۔ کہ جب کبھی ہندستان کو مزید اختیارات حاصل ہوں، ان کا
مطلب یہ بھی ہو گا کہ فوجوں کا نظم و نسق ہندستان کی منتخبہ مجلس وضع قوانین
کے ماتحت ہو تو وہ تمام امیدیں جو اس امر سے وابستہ ہیں کہ مرکزی
حکومت بتدریج اس منزل کی طرف بڑھے جس کا اعلان ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء
میں ہوا تھا، معرض خطر میں آجائے گی۔"

اپنے بیان کی مزید تائید کے لئے ارکان کمیشن نے آگے چل کر اس امر پر خاص زور دیا ہے کہ ہندستان میں مختلف مذاہب اور مختلف نسلوں کے درمیان جن کی صلاحیتیں اور قوتیں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہیں، ایک تصادم رونما ہے۔ پھر یہ کہہ کر اس مسئلے کو اور بھی زیادہ پیچیدہ بنانے کی کوشش کی ہے کہ :-

"یہ حقیقت کہ ہمارے عام اور مروجہ الفاظ میں ہندستانی ایک قوم
نہیں ہیں اور بھی عیاں ہو جاتی ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ
ہندستان کی جنگجو قوموں اور دوسری نسلوں میں کس قدر فرق
موجود ہے۔"

اس مسئلے کے ان پہلوؤں پر زور دینے کا مقصد یہ ہے کہ انگریز صرف بیرونی حملوں ہی سے ہندستان کی حفاظت نہیں کر رہے ہیں، بلکہ وہ اس کے اندرونی امن وسکون کے بھی "غیر جانبدار محافظ" ہیں۔ بہرحال فیڈریشن میں جیسا کہ میں اس کا مطلب سمجھتا ہوں، اس مسئلے کا صرف ایک پہلو باقی رہ جائے گا۔ یعنی ہندستان کے خارجی تحفظ کا۔ صوبہ جاتی عساکر کے علاوہ جو ہندستان کے اندرونی امن و سکون کے لئے ناگزیر ہیں، ہندستان کی فیڈرل کانگریس صوبۂ سرحدی میں ایک طاقتور سرحدی لشکر متعین کر سکتی ہے، جس میں ہر صوبے کے سپاہی شامل ہوں گے اور جن کی قیادت ہر ملت کے آزمودہ کار افسروں کے ہاتھ میں ہو گی۔ مجھے اس امر کا بخوبی

احساس ہے کہ ہندستان میں قابل فوجی افسر موجود نہیں اور یہی چیز ہے جس سے فائدہ اٹھاکر ارکان کمیشن یہ کہتے ہیں کہ افواج کا نظم ونسق دولت برطانیہ کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے۔ لیکن میں اس کے متعلق انہی کی رپورٹ سے ایک اقتباس پیش کروں گا جس سے خود ان کا یہ اندازہ قابل اعتراض نظر آتا ہے:۔

"اس وقت کوئی ہندستانی جسے ملک معظم کی طرف سے کمیشن ملا ہو کپتان سے اونچے عہدے پر فائز نہیں۔ ہندستانی کپتانوں کی کل تعداد ۳۹ ہے جن میں سے ۲۵ معمولی رجمنٹوں میں کام کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی عمر اس قدر زیادہ ہے کہ اگر وہ ضروری امتحانات میں کامیاب بھی ہو جائیں، جب بھی انہیں اس سے اونچا عہدہ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ ان کا بیشتر حصہ سینڈ ہرسٹ نہیں گیا۔ بلکہ انہیں جنگ عظیم میں کمیشن ملا تھا۔ اب یہ خواہش کہ صورت حالات میں تغیر پیدا کیا جائے کس قدر سچی کیوں نہ ہو اور اس کے لئے کیسی ہی مخلصانہ کوشش کیوں نہ کی جائے وہ شرائط جن کو اسکین کمیٹی نے (جس کے صدر اور فوجی سکریٹری کے علاوہ وہ تمام اراکین ہندستانی تھے) نہایت موثر طریق پر لفظ ترقی ۔۔۔۔۔۔ میں جمع کر دیا ہے اس امر پر منحصر ہیں کہ ہر مرحلے پر کامیابی حاصل ہو اور جبتک ایسی حالت بدستور قائم رہیگی ظاہر ہے کہ اس سے ترقی کی رفتار لازماً سست رہیگی موجودہ ہندستانی افسر معمولی عہدوں پر کام کرتے ہیں اور ان کا تجربہ محدود ہے۔ لہذا یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک قلیل عرصے کے اندر اعلیٰ مراتب حاصل کر لیں۔ جب تک ہندستانی امیدواروں کی قلیل جماعت میں اضافہ نہ ہو جائے اور ہم اس اضافے کے دل

سے خواہشمند ہیں اجب تک ہندستانیوں کی ایک کافی تعداد اس قدر تجربہ اور
مہارت حاصل نہ کرے کہ جس سے سب نہیں تو کم از کم کچھ رجمنٹوں کے تمام
افسر صرف ہندستانی ہوں جب تک یہ رجمنٹیں عملاً اس آزمائش میں کامیاب
نہ ہو جائیں جو ان کی قابلیت کا اندازہ کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے، اس
وقت تک یہ ممکن نہ ہوگا کہ فوج کے نظم ونسق کو ہندستانیوں کے ذمہ
سپرد کیا جائے، اور یہ عمل اس حد تک پہنچ جائے کہ ساری فوج کلیتہً
ہندستانی ہو جائے۔ اس حالت میں بھی اس کام کی تکمیل کے لئے ساٹھ
سال کی ضرورت ہوگی۔"

اب میں یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ اس صورت حالات کا ذمہ دار کون ہے
اس کی وجہ ہماری جنگجو قوموں کی کوئی فطری خرابی ہے یا فوجی تعلیم کی سستی رفتار؟ ہماری
جنگجو قوموں کی صلاحیت مسلمہ ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ بہ نسبت تعلیم کے دوسرے شعبوں کے
جنگی تعلیم کا عمل سست ہو۔ میں عسکریت کا ماہر نہیں لیکن عام آدمی کی حیثیت سے کہہ
سکتا ہوں کہ اس دلیل کو جس انداز سے پیش کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ عمل ہمیشہ جاری
رہے گا۔ گویا ہندستان کی غلامی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نہرو رپورٹ کی تجویز
کے مطابق سرحدی افواج کا نظم ونسق ایک دفاعی کمیٹی کے ذمہ کر دیا جائے اور اس کے
ارکان کا فیصلہ باہمی تصفیہ سے ہو۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ سائمن رپورٹ میں ہندستان کی بڑی سرحدوں کو تو
غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے لیکن اس کے بحری تحفظ کے متعلق صرف سرسری اشارات
کئے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندستان پر ہمیشہ خشکی کے راستے سے حملے
ہوتے رہے ہیں، لیکن یہ امر بھی مسلم ہے کہ ہندستان کے موجودہ حاکم اس کے غیر محفوظ
سواحل کی وجہ سے اس پر قابض ہوئے تھے۔ ایک آزاد اور خود مختار ہندستان کے

لئے از بس ضروری ہی کہ وہ خشکی کی بجائے اپنی بحری سرحدوں کی زیادہ حفاظت کرے۔
مجھے یقین ہی کہ اگر فیڈرل ریاست قائم ہوگئی تو مسلم فیڈرل ریاستیں ہندستان کے تحفظ کی خاطر ایک غیر جانبدار ہندستانی فوج کے قیام کے لئے جو خشکی اور سمندر دونوں پر متعین ہو، ہر قسم کی مدد دینے پر آمادہ ہوں گی۔ مغلوں کے زمانے میں اس قسم کے غیر جانبدار عساکر واقعتہً موجود تھے۔ بلکہ اکبر کے زمانے میں تو اِن تمام سرحدی افواج کے افسر ہندو ہی تھے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر فیڈرل نظامِ حکومت میں ایک غیر جانبدارانہ ہندستانی لشکر قائم ہوا تو اس سے مسلمانوں کے جذبات حب الوطنی اور زیادہ قوی ہو جائیں گے اور اس بدگمانی کا بھی ازالہ ہوجائے گا کہ اگر باہر سے حملہ ہوا تو مسلمانانِ ہندستان اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ مل جائیں گے۔

اسلامی مطالبات

میں نے مختصراً اس امر کی وضاحت کر دی ہی کہ ہندستان کے دو آئینی مسئلوں کے متعلق ہم مسلمانوں کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ ہمارا سب سے بڑا مطالبہ یہ ہی کہ فرقہ وارانہ مسائل کے مستقل تصفیے کے لئے برطانوی ہندستان میں صوبوں کی تقسیم از سرِ نو کی جائے۔ لیکن اگر مسلمانوں کا مطالبہ مسترد کر دیا جائے، تو پھر میں نہایت شد و مد کے ساتھ ان مطالبات کی تائید کروں گا۔ جن کا اعلان آل انڈیا مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے بار بار کیا گیا ہی۔ مسلمانانِ ہندستان کسی ایسی آئینی تبدیلی کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ جس کے ماتحت وہ بنگال اور پنجاب میں جداگانہ انتخابات کے ذریعہ اپنی اکثریت حاصل نہ کر سکیں، یا مرکزی مجلس میں انہیں ۳۳ فی صدی نشستیں نہ مل جائیں۔ اب تک مسلمانوں کے سیاسی رہنما دو گڑھوں میں گر چکے ہیں۔ پہلا گڑھا لکھنو کا مسترد شدہ میثاق ہی جسے قومیتِ ہند کے غلط

تصور پر مرتب کیا گیا تھا۔ اور جس کے ماتحت مسلمان ان تمام مواقع سے محروم رہ جاتے تھے کہ وہ اس ملک میں کوئی سیاسی طاقت پیدا کر سکیں۔ دوسرا اگر دھا پنجاب کی نام نہاد دیہاتی آبادی کی خاطر اسلامی اتحاد و اتفاق کی وہ عاقبت اندیشانہ قربانی ہے جس کا اظہار ایک ایسی تجویز میں ہوا ہے جس سے پنجاب کے مسلمان اقلیت میں رہ جاتے ہیں لیگ کا فرض ہے کہ وہ میثاق اور تجویز دونوں کی مذمت کرے۔

سائمن رپورٹ نے مسلمانوں کے ساتھ ایک بہت بڑی ناانصافی کی ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے بنگال اور پنجاب میں ان کے لئے آئینی اکثریت کی سفارش نہیں کی۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ مسلمان یا تو میثاق لکھنؤ کے پابند رہیں یا مخلوط انتخابات کو اختیار کرلیں۔ حکومت ہند نے سائمن رپورٹ کے متعلق جو یادداشت بھیجی ہے اس میں اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے کہ رپورٹ کی اشاعت کے بعد مسلمانوں نے ان دونوں تجویزوں میں سے کسی ایک کو بھی پسند نہیں کیا۔ یادداشت میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شکایت بجا ہے کہ انہیں بنگال اور پنجاب میں تناسب آبادی کے لحاظ سے نمایندگی کا حق کیوں نہیں دیا گیا۔ محض یہ امر کہ انہیں دوسرے صوبوں میں "پاسنگ" حاصل ہے اس نقصان کی تلافی نہیں کرتا۔ لیکن تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ اس یادداشت میں بھی مسلمانوں کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے حکومت ہند نے بھی اسی "نہایت احتیاط سے تیار کی ہوئی متوازن اسکیم" کی حمایت کی ہے جس کو پنجاب کونسل کے سرکاری ممبروں نے مرتب کیا تھا اور جس کے ماتحت مسلمانانِ پنجاب کو پوری مجلس میں صرف ۴۹ فیصدی نشستیں ملتی ہیں۔ اور ہندوؤں اور سکھ اراکین پر صرف دو کی اکثریت حاصل ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ پنجاب کی مثال بجائے خود اس قدر فیصلہ کن ہے کہ اس کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مسلمانانِ پنجاب کسی ایسی اسکیم کو تسلیم نہیں کرسکیں گے جس کی رو سے انہیں پوری مجلس میں قطعی اکثریت

حاصل نہ ہو جائے۔ بہرحال لارڈ ارون اور ان کی حکومت کو اس امر سے اتفاق ہے کہ جب تک حق رائے دہندگی اس قدر وسیع نہ ہو جائے کہ ہر ملت کا تناسب آبادی واضح طور پر اس کے نمایندوں سے ظاہر ہو سکے، اور جب تک تمام مسلمان باتفاق رائے جداگانہ نمایندگی کے حق سے دست بردار نہ ہو جائیں، ہندوستان کی اقلیتیں اس امر کی مجاز ہوں گی کہ فرقہ وارانہ انتخابات کو قائم رکھیں۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب حکومت ہند کے نزدیک مسلمانوں کی شکایت بجا ہے تو اسے اتنی جرأت کیوں نہیں ہوئی کہ وہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کے لئے آئینی اکثریت کی سفارش کرتی۔

مسلمانان ہندوستان کو کسی ایسی تبدیلی سے بھی اتفاق نہیں ہوگا جس کے ماتحت سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ نہ کر دیا جائے یا شمال مغربی سرحدی صوبہ کا سیاسی درجہ وہی نہ ہو جائے جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کا ہے۔ سندھ اور بلوچستان کو باہم ملا کر ایک نیا صوبہ قائم کر دینا چاہیئے۔ احاطہ بمبئی اور سندھ میں کوئی چیز بھی تو مشترک نہیں۔ ارکان کمیشن کو بھی اعتراف ہے کہ اہل سندھ کی زندگی اور ان کا تمدن عراق اور عرب سے مشابہ ہے نہ کہ ہندوستان سے۔ مشہور اسلامی جغرافیہ داں مسعودی نے آج سے بہت پہلے عرب اور سندھ کی اسی باہمی مشابہت کی طرف اشارہ کر دیا تھا مسعودی نے لکھا ہے کہ "سندھ وہ ملک ہے جو مملکت اسلامی سے قریب تر ہے"۔ سب سے پہلے اموی خلیفہ کا قول تھا کہ مصر کی پشت افریقہ کی جانب ہے اور منھ عرب کی جانب۔ مناسب رد و بدل کے ساتھ یہی بات سندھ کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے۔ سندھ کی پیٹھ ہندوستان کی طرف ہے اور منھ وسط ایشیا کی جانب۔ علاوہ ازیں اگر سندھ کے ان زراعتی مسائل کا جن سے حکومت بمبئی کو مطلق ہمدردی نہیں ہے اور اس کی بے شمار تجارتی صلاحیتوں کا لحاظ رکھ لیا جائے، اس لئے کہ کراچی بڑھتے بڑھتے ایک روز لازماً ہندوستان کا دوسرا دارالسلطنت بن جائے گا تو صاف نظر آجاتا ہے کہ اس کو احاطہ

بمبئی سے ملحق رکھنا مصلحت اندیشی سے کس قدر دور ہی۔ بیشک اس وقت بمبئی کا رویہ دوستانہ ہی لیکن ممکن ہو کہ وہ کل ہی اس کا حریف بن جائے۔ کہا جاتا ہو کہ اس راہ میں کچھ مالی مشکلات حائل ہیں۔ ابھی تک اس کے متعلق کوئی مستند بیان میری نظر سے نہیں گزرا لیکن فرض کر لیجیے کہ اس قسم کی مشکلات موجود ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ حکومت ہند امید افزا صوبہ کو اپنی آزادانہ ترقی کی جد و جہد میں عارضی طور پر مدد نہ دے۔

رہا شمال مغربی سرحدی صوبہ سو یہ امر نہایت افسوسناک ہو کہ ارکان کمیشن نے عملاً اس امر سے انکار کر دیا ہے کہ اس صوبے کے باشندوں کو بھی اصلاحات کا حق حاصل ہے۔ ان کی سفارشات برے (B RAY) کمیٹی سے بھی کم ہیں۔ اور وہ جس کونسل کی تجویز پیش کرتے ہیں وہ چیف کمشنر کی مطلق العنانی کے لئے محض ایک آڑ کا کام دے گی۔ افغانوں کا یہ پیدائشی حق کہ وہ سگرٹ روشن کر سکیں، محض اس لئے سلب کر لیا گیا ہو کہ وہ ایک بارود خانے میں رہتے ہیں۔ ارکان کمیشن کی یہ دلیل کسی قدر لطیف کیوں نہ ہو اس سے کسی جماعت کا اطمینان نہیں ہو سکتا۔ سیاسی اصلاحات کی مثال روشنی کی سی ہو نہ کہ آگ کی۔ اور ہمارا فرض ہے کہ تمام انسانوں تک یہ روشنی پہنچائیں۔ خواہ وہ خانۂ بارود میں رہتے ہوں یا کوئلے کی کان میں۔ افغان ایک بہادر اور ذہین قوم ہے۔ وہ اپنے مقاصد کے لئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کر سکتے ہیں۔ وہ ایسی کوشش کی شدت سے مزاحمت کریں گے جو ان کو آزادانہ ترقی کے حق سے روک دے۔ ان لوگوں کو مطمئن رکھنا ہندستان اور انگلستان دونوں کے لئے مفید ہے۔ گزشتہ ایام میں اس بد قسمت صوبے میں جو المناک واقعات پیش آچکے ہیں، وہ محض اس امتیازی اور غیر ہمدردانہ سلوک کا نتیجہ ہیں جو ہندستان میں اصول حکومت خود اختیاری کے نفاذ سے لے کر اب تک اس سے روا رکھا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ برطانوی مدبرین صحیح حالات کا اندازہ کرنے میں غلطی نہیں کریں گے اور وہ اپنے آپ کو اس فریب میں

مبتلا نہیں رکھیں گے کہ اس صوبے میں جو کچھ پیش آرہا ہے، خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔

حکومت ہند نے بھی اپنی یادداشت میں صوبہ سرحدی کے لئے جن اصلاحات کی سفارش کی ہے وہ ناکافی ہیں۔ بے شک ان کا دائرہ کمیشن کی سفارشات سے وسیع تر ہے کیونکہ اس میں ایک طرح کی منتخب کونسل اور نیم منتخب کابینہ کی تجویز کی گئی ہے، لیکن حکومت ہند نے بھی اس صوبے کو وہ سیاسی درجہ نہیں دیا جو دوسرے صوبوں کو حاصل ہے حالانکہ افغان جبلتاً اس بات کے کہیں زیادہ اہل ہیں کہ ہندستان کے دوسرے باشندوں کی نسبت جمہوری ادارات میں حصہ لیں۔

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس

میرا خیال ہے کہ مجھے اب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے متعلق چند سرسری اشارات کر دینے چاہئیں۔ ذاتی طور سے مجھے اس کانفرنس سے کوئی امید وابستہ نہیں۔ البتہ یہ ضرور تصور کیا جاتا تھا کہ فرقہ وارانہ تنازعات کی رزمگاہ سے دور ایک بدلی ہوئی فضا میں لوگ کہیں زیادہ ہوشمندی سے کام لیں گے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ واقعات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ وارانہ مسائل پر جو بحث لندن میں ہوئی ہے اس سے مسلمانوں اور ہندوؤں کا تمدنی اختلاف اور بھی زیادہ واضح ہو گیا ہے۔ بایں ہمہ وزیر اعظم انگلستان کو اس امر سے انکار ہے کہ ہندستان کا مسئلہ بین الاقوامی ہے، قومی نہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ: "یہ ایک دشوار بات ہوگی کہ میری حکومت پارلیمنٹ کے سامنے جداگانہ انتخاب کی تجویز پیش کرے۔ اس لئے کہ مخلوط انتخابات انگریزی کے جذبات جمہوریت پسندی کے زیادہ قرین ہیں۔" انہوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ ایک ایسے ملک میں جہاں متعدد قومیں آباد ہوں، برطانوی جمہوریت کی صورت قائم نہیں ہو سکتی۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ اس مسئلے کو جغرافیائی اصول پر حل کیا جائے۔

جداگانہ انتخاب کو قائم رکھنا اس کا کوئی عمدہ بدل نہیں ہے۔ مجھے یہ بھی امید نہیں کہ اقلیتوں کی سب کمیٹی کسی صحیح نتیجے پر پہنچے۔ آخر الامر سارا مسئلہ برطانوی پارلیمنٹ میں پیش ہوگا ہمیں امید ہے کہ انگریز قوم کے بالغ نظر نمائندے اس مسئلہ کو محض سطحی نہ نگاہوں سے نہیں دیکھیں گے جیسا کہ اب تک ہندستان کے اکثر ارباب سیاست نے کیا ہے۔ بلکہ ان کی نگاہیں اس معاملے کی تہ تک پہنچ جائیں گی اور وہ محسوس کریں گے کہ ہندستان کے اندر امن و سکون کے قیام کا طریق کیا ہے۔ ہر وہ دستور جو اس تصور پر مبنی ہوگا کہ ہندستان میں ایک ہی قوم بستی ہے۔ یا جس کا مقصد یہ ہو کہ یہاں ان اصولوں کا نفاذ کیا جائے جو برطانیہ کے جذبات جمہوریت پسندی کا نتیجہ ہیں ہ اس کا مطلب صرف اسی قدر ہوسکتا ہے کہ ہندستان کو نادانستہ خانہ جنگی کے لئے تیار کیا جائے۔ جہاں تک میری سمجھ کام کرتی ہے اس ملک میں اس وقت تک امن و سکون قائم نہیں ہوسکتا جب تک اس امر کو تسلیم نہ کرلیا جائے کہ ہندستان کی ہر ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کئے بغیر جدید اصولوں پر آزادی کے ساتھ ترقی کرے۔

مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ ہمارے مسلمان مندوبین کو اس مسئلے کے صحیح حل کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہے۔ جس کو ہم نے ہندستان کا بین الاقوامی مسئلہ کہا ہے۔ ان کا یہ اصرار بالکل بجا ہے کہ مرکزی حکومت میں ذمہ داری کا مسئلہ طے کرنے سے پہلے فرقہ وارانہ منازعات کا تصفیہ ہوجانا ضروری ہے۔ کسی مسلمان سیاسی رہنما کو اس طعن آمیز الفاظ (یعنی لفظ "فرقہ واری") کا مطلق خیال نہیں کرنا چاہیئے جسے ہندو محض پروپیگنڈا کی خاطر استعمال کر رہے ہیں تاکہ بقول وزیر اعظم وہ انگلستان کے جذبات جمہوریت پسندی سے فائدہ اٹھا سکیں اور انگریز غلطی سے یہ فرض کرلیں کہ ہندستان کے دوسرے باشندوں کی نسبت کہیں زیادہ یک رنگ قوم ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہندستان میں کوئی قوم بستی ہے تو

وہ مسلمان ہی ہیں، اگرچہ ہندو ہر بات میں ہم سے آگے ہیں لیکن ابھی ان کو وہ یک رنگی حاصل نہیں ہوئی جو ایک قوم بننے کے لئے ناگزیر ہے اور جو اسلام نے از خود آپ کو عطا کی ہے۔ بے شک ہندو اس امر کے لئے مضطرب ہیں کہ وہ ایک قوم بن جائیں۔ مگر قوموں کی ترکیب گویا ایک نئی زندگی میں قدم رکھنا ہے۔ اور جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام نظام معاشرت کو یک قلم بدل دیں۔ ایسے ہی مسلمان رہنماؤں اور ارباب سیاست کو اس لطیف مگر مغالطہ انگیز دلیل سے بھی متاثر ہونا نہیں چاہیئے کہ ترکی، ایران اور دوسرے اسلامی ممالک قوم پسندی کے اصولوں پر گامزن ہیں۔ مسلمانانِ ہندستان کی حالت ان سے بالکل مختلف ہے۔ ان ممالک کی ساری آبادی تقریباً مسلمانوں کی ہے، اور جو اقلیتیں باقی رہ جاتی ہیں ان کا تعلق باصطلاح قرآنی اہل کتاب سے ہے۔ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان کوئی معاشرتی دیوار حائل نہیں۔ اگر کوئی یہودی، عیسائی یا زرتشتی (یعنی پارسی) کسی مسلمان کا کھانا چھولے تو وہ نجس نہیں ہوجاتا۔ شریعت اسلامی کی رو سے ان میں باہم مناکحت جائز ہے۔ حقیقت میں یہ وہ اوّلین قدم تھا جو اسلام نے عملاً اتحادِ نوعِ انسانی کی خاطر اٹھایا۔ اس نے ان لوگوں کو جن کا اخلاقی نصب العین تقریباً ایک سا تھا، باہم مل جانے کی دعوت دی۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ اھل الکتاب تعالوا علیٰ کلمۃٍ (یعنی توحید) سواءٍ بیننا و بینکم یہ الگ بات ہے کہ مسلمان اور عیسائی اقوام کے باہمی جنگ وجدل اور پھر مغرب کی چیرہ دستیوں نے اس امر کا موقع نہیں دیا کہ دنیائے اسلامی اس آیت کے لا انتہا معنوں کو عمل میں لاتی۔ بہرحال آج بلادِ اسلامیہ میں یہ مقصد اسلامی قومیت کی شکل میں پورا ہورہا ہے۔

مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم مندوبین کی کامیابی کا اندازہ صرف اس ایک امر سے کرسکتے ہیں کہ وہ کانفرنس کے غیر مسلم مندوبین سے قرارداد دہلی کے

مطالبات کہاں تک منوا لیتے ہیں۔ اگر ان مطالبات کو مسترد کر دیا گیا تو ایک نہایت ہی اہم اور عظیم الشان سوال پیدا ہوگا۔ اس وقت ضرورت ہوگی کہ ہندستان کے مسلمان ایک ہو کر کوئی آزادانہ سیاسی قدم اٹھائیں۔ اگر آپ اپنے مقاصد اور اپنے نصب العین پر واقعی سنجیدگی سے قائم ہیں تو آپ کو اس قسم کے عمل کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ ہمارے سربرآوردہ لوگوں نے کافی غور و خوض سے کام لیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک حد تک یہ انہی کے غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ ہم لوگ ان قوتوں سے آشنا ہوئے ہیں جو ہندستان کے اندر اور اس کے باہر ہماری آیندہ قسمتوں کی تشکیل میں کارفرما ہیں لیکن میں آپ سے اس قدر پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اس غور و فکر نے ہم میں اتنی قابلیت پیدا کر دی ہے کہ اگر مستقبل قریب میں ضرورت آئے تو ہم اپنے آپ کو اسی قسم کے عمل کے لئے تیار پائیں جو حالات کے مقتضی ہو؟ مجھے آپ سے بلا تکلف کہہ دینا چاہیئے کہ ہندستان کے مسلمان اس وقت دو عوارض کا شکار ہو رہے ہیں۔ پہلا عارضہ یہ ہے کہ اہم شخصیتوں کا وجود نہیں۔ سر مالکم ہیلی اور لارڈ آرون کی تشخیص بالکل صحیح تھی، جب انھوں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ملت اسلامیہ نے کوئی رہنما پیدا نہیں کیا۔ رہنماؤں سے میرا مطلب وہ افراد ہیں جن کو عنایت ایزدی یا اپنے وسیع تجربات کی بدولت ایک طرف یہ ادراک حاصل ہو کہ اسلامی تعلیمات کی روح اور اس کی تقدیر کیا ہے۔ دوسری طرف ان میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ جدید حوادث کی رفتار کا اندازہ صحت کے ساتھ کر سکیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر کسی قوم کی قوت عمل کا انحصار ہوتا ہے۔ دوسرا مرض جو مسلمانوں کے اندر گھر کر چکا ہے یہ ہے کہ ان میں اطاعت کا مادہ باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آج متعدد افراد اور متعدد جماعتیں الگ الگ راہوں پر گامزن ہیں اور اس سے قوم کے عام افکار

اور اس کی عام سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جو طرزِ عمل ہم نے مذہب میں اختیار کر رکھا ہے، اب وہی سیاسیات میں ہو گیا ہے۔ لیکن مذہبی فرقہ بندیوں سے اتنا نقصان نہیں پہنچا۔ اس لئے ان سے کم از کم اتنا تو ظاہر ہوتا ہے کہ ہمیں اس اصول سے دلچسپی ہے، جس پر ہماری ترکیب کا انحصار ہے۔ مزید برآں یہ اصول ان قدر وسیع ہے کہ کسی فرقہ کو اس قدر جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ اسلام کے حدود ہی سے باہر نکل جائے۔ برعکس اس کے اگر سیاسی زندگی میں اختلافات کو جائز رکھا گیا، بالخصوص اس وقت جب مفادِ ملّت کی خاطر اتحادِ عمل کی ضرورت ہے، تو اس کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ ان دونوں امراض کے علاج کی صورت کیا ہے۔ اوّل الذکر کا تدارک ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ البتہ جہاں تک دوسری بیماری کا تعلق ہے میرا خیال ہے کہ ہم اس کا دفیعہ کر سکتے ہیں۔ میں نے اس موضوع پر ایک خاص رائے قائم کر رکھی ہے۔ لیکن بہتر ہوگا کہ میں اس وقت تک اس کا اظہار نہ کروں جب تک کہ ایسی صورت حالات پیدا نہ ہو جائے جس کا خطرہ ہے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو تمام سربرآوردہ مسلمانوں کا خواہ ان کے خیالات کچھ بھی ہوں فرض ہوگا کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں اور صرف قراردادیں ہی منظور نہ کریں بلکہ اپنے مقاصد میں حقیقی کامیابی کے حصول کے لئے مسلمانوں کے سامنے کوئی راہِ عمل پیش کریں۔ میں نے اس امر کا تذکرہ صرف اس لئے کر دیا ہے کہ آپ نہایت سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کریں۔

خاتمۂ سخن

حضرات مجھے جو کچھ عرض کرنا تھا کر چکا۔ آخر میں میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ مسلمانانِ ہند اس وقت اپنی زندگی کے جس نازک دور میں سے گزر رہے ہیں، اس کے لئے کامل تنظیم اور اتحادِ عزائم و مقاصد کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملّی وجود کی بقا اور ہندوستان کا مفاد صرف ایک اسی امر سے وابستہ ہے۔ ہندوستان کی سیاسی غلامی تمام

ایشیا کے لئے لاتناہی مصائب کا سرچشمہ ہے۔ اس نے مشرق کی روح کو کچل ڈالا ہے۔ اور اسے
اظہار ذات کی اس مسرت سے محروم کر دیا ہے جس کی بدولت کبھی اس میں ایک بلند اور
شان دار تمدن پیدا ہوا تھا۔ ہم پر ایک فرض ہندستان کی طرف سے عائد ہوتا ہے جو ہمارا
وطن ہے اور جس میں ہمیں جینا اور مرنا ہے۔ اور ایک فرض ایشیا بالخصوص اسلامی ایشیا کی
جانب سے۔ اور چونکہ ایشیا کے دوسرے اسلامی ممالک کی نسبت ایک ہی ملک میں
سات کروڑ مسلمانوں کی موجودگی اسلام کے لئے ایک بیش بہا سرمایہ ہے، لہذا ہمیں چاہیئے
کہ ہم ہندستان کے مسئلے پر محض اس زاویۂ نگاہ ہی سے نہیں بلکہ ہندی مسلمانوں کے
نقطۂ نظر سے بھی غور کریں۔ ایشیا اور ہندستان کی طرف سے ہم پر جو فرائض عائد ہوتے
ہیں، ان کی بجاآوری اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم اپنے اداروں کو ایک مخصوص
مقصد پر جمع نہ کرلیں گے۔ بشرطیکہ آپ ہندستان کی دوسری ملتوں کے درمیان اپنا
وجود قائم رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں
ہماری بے نظم اور منتشر حالت کے باعث بہت سے ایسے سیاسی مصالح جو ہماری
زندگی کے لئے ناگزیر ہیں، دن بدن پیچیدہ ہورہے ہیں۔ میں فرقہ وارانہ مسائل کے
تصفیہ سے خوش نہیں ہوں۔ لیکن میں آپ سے اپنے اس احساس کو پوشیدہ نہیں
رکھ سکتا کہ موجودہ نازک حالات کے تدارک کے لئے ہماری ملت کو مستقبل قریب
ہی میں آزادانہ جدوجہد کرنا پڑے گی۔ لیکن کسی سیاسی طرز عمل کے لئے آزادانہ جدوجہد
کرنا اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے، جب پوری قوم اس پر آمادہ ہو اور ان کے تمام
عزائم اور ارادے ایک ہی مقصد پر مرکوز ہو جائیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم لوگوں کے
اندر بھی وہ اشتراکِ عزم پیدا ہو جائے جس کا از خود نشو ونما ہوتا ہے؟ کیوں نہیں؟
فرقہ بندی کی ہوس اور نفسانیت کی قیود سے آزاد ہو جایئے اور پھر اس
نصب العین کی روشنی میں جو آپ کی طرف منسوب ہے، اپنے انفرادی اور اجتماعی

اعمال کی قدر و قیمت کا اندازہ کیجئے خواہ وہ مادّی اغراض ہی سے متعلق کیوں نہ ہوں، مادّیات سے گزر کر روحانیت میں قدم رکھیئے۔ مادّہ کثرت ہے، لیکن روح نور ہے، حیات ہے، وحدت ہے۔ ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے یہ ہے کہ صرف اسلام تھا جس نے آڑے وقتوں میں مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا نہ کہ مسلمان۔ اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں، تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں ازسرِنو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔ قرآن مجید کی ایک نہایت معنی خیز آیت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ایک پوری ملت کی موت و حیات کا سوال ایسا ہی ہے جیسے ایک نفسِ واحد کا۔ پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم مسلمان جو بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ ہم ہی تھے جو سب سے پہلے انسانیت کے اس بلند اور ارفع تصور پر عمل پیرا ہوئے، ایک واحد کی طرح زندہ رہیں؟ جب میں یہ کہتا ہوں کہ ہندستان کی حالت وہ نہیں ہے جیسی کہ نظر آتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں کسی شخص کو حیرت میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ بہرحال اس کے صحیح معنی آپ پر اسی وقت آشکارا ہو سکیں گے جب آپ ان کے مشاہدے کے لئے ایک صحیح اجتماعی "انا" پیدا کر لیں گے۔

ہماری منتخب کتابیں

کتاب	مصنف	آنے	روپے
غبار خاطر	از مولانا ابوالکلام آزاد	۰	۴
خطبات اقبال	مرتبہ رضیہ فرحت بانو	۴	۱
اٹھارہ مہینے ہندوستان میں	از جواہر لال نہرو	۸	۳
نئی تہذیب نئی تعلیم	ولیم کلپٹرک	۴	۲
ہندوستاں ٹکڑے ٹکڑے	از ڈاکٹر راجندر پرشاد	۸	۳
تاریخ آزاد ہند فوج	از منشی عبدالقدیر	۰	۳
لندن سے آداب عرض	از آغا محمد اشرف	۸	۱
لندن سے ہوائی حملے	,,	۱۲	۰
بچوں کا لندن	,,	۸	۱

حالی پبلشنگ ہاؤس "کتاب گھر" دہلی